تذکیر بالقرآن

از: مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام
'محاضراتِ قرآنی' (منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء) میں پیش کیا گیا۔

خداوندِ عالم جلّ وعلا نے ہادیٔ اسلام حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت فرمائی:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (قٓ:۴۵)

" (اے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم!) آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو سمجھائیے جو میرے ڈرانے سے ڈرتے ہیں۔"

شاہ عبدالقادر صاحب امام المفسّرینؒ تذکیر کا ترجمہ 'سمجھانا' کرتے ہیں اور بڑے شاہ صاحب (شاہ ولی اللہؒ) نے 'پند و نصیحت' ترجمہ کیا ہے۔ سورۃ الذّاریات آیت (۵۵) کا ترجمہ فرماتے ہیں:

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

" اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو"

بڑے شاہ صاحب نے یہاں بھی تذکیر کا ترجمہ 'پند' (نصیحت) کیا ہے۔

سورۃ الحجر کی مشہور آیت:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ — میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے والدِ محترم کا لفظ "نصیحت" اختیار فرمایا:

" ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں"

لیکن بڑے شاہ صاحبؒ نے خود 'الذکر' کا ترجمہ 'قرآن' کیا — کیونکہ آیت کریمہ میں جو اہم اعلان کیا گیا ہے اس کی مناسبت کا تقاضا تھا کہ 'الذکر' کا مصداق متعیّن اور واضح کر دیا جائے۔

حضرت امام المفسرین نے "سمجھاتا رہ" کا تاکیدی پیرایہ اختیار کر کے یہ اشارہ کیا کہ تذکیر بالقرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل مشن و منصب ہے۔

خداوند عالم نے سورۂ بنی اسرائیل (۴۱) میں اس امر کو بھی واضح کر دیا کہ قرآن کریم میں ہر قسم کی باتیں اور ہر نوع کے مضامین بار بار اسی لیے دوہرائے گئے ہیں کہ یہ نصیحت نامہ ہے۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ط

تاکہ لوگ سوچیں، سمجھیں اور نصیحت حاصل کریں۔

اسی صورت کی آیت (۸۹) میں "مِنْ كُلِّ مَثَلٍ" کا اضافہ بھی کیا گیا ہے یعنی ہر داستان نے اور ہر کہاوت اور ہر قسم کا عمدہ مضمون، تکرار کے ساتھ دوہرایا گیا ہے۔

اسی تذکیر بالقرآن کو ___ الفرقان (۵۲) میں جہاد بالقرآن سے تعبیر کیا ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ٥

"(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان کافروں کے کہنے میں نہ آئیں اور قرآن کے ذریعہ جہاد جاری رکھیں، پورے زور شور کے ساتھ"۔

تذکیر کس درجہ کی ہو؟ ___ محض روایتی پند و موعظت اور رسمی وعظ و نصیحت کے درجہ کی نہیں بلکہ تمام ذرائع و وسائل کی قوت کے ساتھ، جان، مال، وقت، زبان، قلم، دل کی توجہ اور دماغ کی سمجھ، اخلاق و شرافت کی کشش اور بالآخر شمشیر و سناں کی قوت و طاقت کے ذریعہ ہو ___ یہی جہاد کبیر ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کے مختلف دور، جہاد کبیر کی مختلف منزلوں کے درمیان ایک حتمی اور ضروری ترتیب قائم کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے قرآن کریم میں نظم و ترتیب کی توجیہ کرتے ہوئے اصول تفسیر کی کتاب 'فوز الکبیر' میں لکھا ہے:

"قرآن مجید کو دوسری کتابوں کی طرح ابواب و فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر مبحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا بلکہ قرآن مجید کو "مجموعۂ مکتوبات" کی طرح سمجھنا چاہیئے ___ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت وقت ایک فرمان لکھتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور پھر ان مکاتیب کو ایک مجموعہ کے طور پر مرتب کر دیا جاتا ہے" (۶۰)

لے علی الترتیب شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور مولانا تھانویؒ

صاحب تفہیم القرآن نے حضرت شاہ صاحبؒ کی اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے :

" دعوتِ اسلامی کے سلسلہ میں حسبِ ضرورت ایک تقریر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جاتی تھی اور آپ اسے ایک خطبہ کی شکل میں لوگوں کو سناتے تھے۔" (۸)

مصنف مرحوم نے اسی توجیہ کے مطابق قرآن کریم کے مختلف حصوں کے درمیان نظم و ترتیب قائم کی ہے اور بڑی خوبی سے قرآنی نظم کے اعجاز کو واضح کیا ہے ۔

اور نظم و ترتیب کی اسی توجیہ سے قرآن کریم کی حیثیت تذکیر قائم رہتی نظر آتی ہے۔ ہر سورت کا ایک مرکزی عنوان و عمود قائم کر کے اس کے تحت آیاتِ قرآنی کے درمیان نظم قائم کرنے کی جو کوشش کی جاتی ہے وہ قرآن کریم کی چھوٹی سورتوں میں تو کامیاب نظر آتی ہے لیکن جہاں تک قرآن کریم کی بڑی سورتوں کا تعلق ہے ان میں یہ توجیہ و تاویل غیر ضروری تکلفات کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی ۔

تذکیر بالقرآن سے اہلِ عجم کی بے توجہی !

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ عجم نے تذکیر بالقرآن کی اہمیت کو بہت کم سمجھا۔ ہندوستان کی حد تک تو یہ حقیقت اَلَمْ نَشْرَح ہے ۔ مشائخِ چشتیہ کے دور کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا کامیاب دور کہا جاتا ہے ۔ ان بزرگوں میں صرف حضرت محبوب الٰہیؒ کے بارے میں یہ آتا ہے کہ شیخ کو قرآن کریم کی تلاوت و تعلیم سے بے حد دلچسپی تھی اور آپ کی خانقاہ حفظ خانہ معلوم ہوتی تھی ۔ (مولانا گیلانی نظامِ تعلیم و تربیت ج ا ص ۳۱۸)

قرآن کریم پر غور و فکر اور اس کے مطالب و علوم کی اشاعتِ عام کا کوئی ذکر اس پورے دور میں نظر نہیں آتا ۔ اس کے بعد عہدِ اکبری کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خداوند عالم نے تین مجدد کھڑے کئے ۔ ایک حضرت خواجہ عبد الباقیؒ اور دو اُن کے مرید ، حضرت امام ربانیؒ اور شیخ محدث دہلویؒ ۔

ان میں سے شیخ محدثؒ نے علوم اسلامی کے احیاء کا کام اپنے ذمہ لیا اور حدیث نبوی کی ترویج و اشاعت کے منصب پر بیٹھے ۔ حضرت شیخ نے حدیث ، فقہ ، کلام اور تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا اور ہر فن میں آٹھ نو کتابوں سے کم کتابیں تصنیف نہیں کیں ۔ لیکن قرآن کریم کی تفسیر میں سورۃ النور اور سورۃ العادیات کی تفسیر اور بیضاوی کے حاشیہ سے زیادہ کام نہیں ہو سکا ۔ (حیات شیخ خلیق نظامی ص ۲۴) ۔

ایک صدی کے بعد حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور قرآن کریم کی اشاعتِ عام کی تحریک شروع کی ـــــ اور اس تحریک کو آپ کے تینوں صاحبزادگان نے پروان چڑھایا۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت مرزا جانِ جاناںؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددیؒ کے بیان پر تعجب ہوتا ہے کہ :

" حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے مرید شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کو لکھا کہ اپنا سارا وقت ذکرِ الٰہی اور مراقبہ میں گزار دو اور کوئی دوسرا شغل اختیار نہ کرو۔ اسی وجہ سے شاہ مراد اللہ نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی (۲۰) آیتوں کی تفسیر کے بعد تفسیر کا سلسلہ بند کر دیا۔ (مقاماتِ مظہری ص۱۰۷)

شاہ مراد اللہؒ ولی اللٰہی تحریک سے متاثر تھے اور آپ نے پارۂ عم کی مکمل تفسیر لکھی جو اُس وقت کی فصیح اردو میں قرآن کریم کی پہلی تفسیر ہے ـــــ اور اس غیر مکمل اردو تفسیر کو شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے اردو تراجم پر تقدم حاصل ہے۔ شاہ مراد اللہ انصاریؒ کی وفات ۱۲۰۵ھ میں ہوئی اور شاہ صاحب نے ۱۲۳۰ھ میں وصال فرمایا۔ شاہ مراد اللہؒ کے موحدانہ تصورات کی وجہ سے ان کی تفسیر کو مجاہدین بالاکوٹ کا حلقہ شائع کرتا رہا، یہاں تک کہ انگریزوں نے جب وہابی لٹریچر پہ پابندی لگائی تو اس تفسیر کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ (ہندوستان میں وہابی تحریک ص۳۰۵)

ولی اللٰہی تحریک کے داعی

شاہ ولی اللہ کی تحریک تذکیر بالقرآن شاہ صاحبؒ کی جماعت کے بلند پایہ ارکان نے پوری قوت سے قائم رکھی۔ آج اردو میں قرآن پاک کے جتنے تراجم اور تفاسیر موجود ہیں وہ سب جماعت ولی اللٰہی کی قلمی کاوشوں کا نتیجہ ہیں اور اسی طرح عام مسلمانوں میں قرآن کریم کے ساتھ جو دلچسپی نظر آتی ہے یہ بھی اسی جماعت کی تقریری اور درسی سرگرمیوں کا ثمرہ ہے۔ راقم السطور نے محاسنِ موضح القرآن میں ان داعیانِ قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔

اس اجلاس میں جس ہستی کی قرآنی جدوجہد کا تعارف کرایا جا رہا ہے وہ قابلِ قدر ہستی جماعت ولی اللہؒ کے قرآنی ورثہ کی آخری امین معلوم ہوتی ہے ـــــ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم ـــــ یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ ہیں ـــــ جنہوں نے "دعوت رجوع الی القرآن" کے عنوان سے اپنے اسلاف

کے نقشِ قدم کے مطابق قرآن کریم کے ظاہر و باطن، الفاظ و معانی اور تلاوت و تفکر کی ایک سرگرم لہر پیدا کر دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی کامیابی کا راز

ڈاکٹر صاحب کی دہلی کے اندر مختلف تقریریں سننے کے بعد ایک معصوم سیرت پرانے بزرگ نے مجھ سے کہا کہ لیا مولانا لوگ اب اپنے آپ کو ڈاکٹر صاحب کہلوانے لگے ہیں — مولانا مولوی کے الفاظ انہیں برے معلوم ہونے لگے! میں نے ہنس کر جواب دیا کہ نہیں وہ مولانا صاحب ہی ہیں، پیار سے لوگ انہیں ڈاکٹر صاحب کہہ دیتے ہیں — اور میں ان سے کیا کہتا؟ تحریکی مزاج ادّعائی ہوتا ہے۔ تحریک کے قائد میں اگر "انا ولا غیری" کا جذبہ نہ ہو تو وہ لوگوں کو اپنی طرف کیسے کھینچ سکتا ہے! — لیکن قرآن کریم کے ساتھ سچی لگن اور تحریکات کی تاریخ پر گہری نظر نے ڈاکٹر صاحب کے اندر جو ذہن پیدا کیا ہے میں اسے ادّعائی ذہن کے مقابلہ میں اتفاقی ذہن سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ اسی ذہن و فکر نے ڈاکٹر صاحب کو جدید و قدیم کی تفریق کے بغیر ملتِ اسلامیہ کے تمام ممتاز اہلِ علم اور اصحابِ عرفان بزرگوں کی عقیدت سے جوڑ دیا — اور ڈاکٹر صاحب نے اس نزاکت کی پرواہ نہیں کی کہ مسٹر اور مولوی کی چپقلش کے اس دور میں علمائے جدید مجھ سے اس لیے بگڑ جائیں گے کہ میں نے قدیم مولویوں کی طرف رُخ کیوں کیا اور علمائے قدیم میری نیت پر اس لیے بھروسہ نہیں کریں گے کہ میں ایم بی بی ایس ڈاکٹر بھی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خارزار کو بڑی استقامت اور محبّت سے طے کر لیا۔ خود لکھتے ہیں۔

" ———— اور اس 'سیر الی القرآن' کے ضمن میں راقم جہاں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کی 'تفہیم القرآن' اور مولانا ابوالکلام آزاد اور اُن کے 'ترجمان القرآن' سے متعارف ہوا، اور اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اور اُن کے استاذ اور امام حمید الدین فراہیؒ کے طریقِ 'تدبرِ قرآن' سے روشناس ہوا، وہاں الحمد للہ کہ ۱۹۵۲ء کے لگ بھگ اس کا ذہنی و قلبی رشتہ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی کے ذریعے سلفِ صالحین اور راسخون فی العلم کے "عُروۃ وُثقیٰ" سے بھی قائم ہو گیا —— اور اس کے بعد تین چار سال کے اندر اندر ہی راقم کے فہم و فکرِ قرآن کے ان 'ابعادِ ثلاثہ' پر ایک 'بُعدِ رابع' (FOURTH DIMENSION) کا اضافہ علامہ اقبال کے فلسفیانہ، اور صحیح تر الفاظ میں متکلمانہ اور متصوفانہ افکار کا ہو گیا۔"

ڈاکٹر صاحب نے سلف صالحین اور راسخین فی العلم کے الفاظ سے جن بزرگوں کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں حضرت امام المفسرین شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہو سکتے ہیں ـــ کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ معمولی تسہیل کے ساتھ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہی کا ترجمہ (موضح قرآن) ہے۔ اور مولانا عثمانیؒ کے تفسیری حواشی میں بھی بڑا حصہ شاہ صاحب کے تفسیری فوائد کا ہے۔ مولانا عثمانیؒ نے شاہ صاحب کی پرانی زبان کو آسان کر کے کسی جگہ شاہ صاحبؒ کے نام سے اور کسی جگہ بغیر حوالہ کے وہ فوائد نقل فرمائے ہیں ـــ اور حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن بھی مولانا کے حواشی میں جگہ جگہ نظر آتی ہے، صرف حضرت تھانویؒ کی قصباتی زبان کو شستہ کر دیا گیا ہے۔ اور بلاشبہ کہیں کہیں مولانا عثمانیؒ کا علمی تبحر بھی منہ سے بولتا نظر آتا ہے۔

بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کے اندر قرآن کریم کے اصولی پیغام (غلبۂ دین) کی اشاعت عام اور اس کے لیے ایک مؤثر تنظیم قائم کرنے کا مخلصانہ جذبہ کارفرما ہے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر صاحب بلالومة اور کسی کی خفگی اور کسی کی خوشنودی سے بلند ہو کر اپنے اس تصور کا اعلان کرتے ہیں :-

"حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال راقم کی پیدائش سے لگ بھگ بارہ سال قبل ہو چکا تھا اور ان کے ساتھ راقم کا ذہنی و قلبی رشتہ کل کا کل 'غائبانہ' ہے۔ بایں ہمہ ان کی عظمت کے جو نقوش اس عاجز کے قلب پر کندہ ہیں ان کو الفاظ کا جامہ پہنانا نہایت مشکل نظر آتا ہے۔ مختصر یہ کہ راقم کو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیت کبریٰ کا عکس کامل اُن کی شخصیت میں نظر آتا ہے اس فرق کے ساتھ کہ امام الہند کی جامعیت کا مظہر ان کی تصانیف ہیں اور شیخ الہندؒ کی جامعیت کا ظہور ان کے تلامذہ میں ہوا۔ اگر یہ اصول درست ہے اور لازماً درست ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ذرا پہچاننے کی کوشش کیجیے اس شخص کی عظمت کو جس کا جانشین جہادِ حریت اور تحریکِ استخلاص وطن کے میدان میں ہوا مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسا مجاہدِ اعظم۔ اور حدیث، فقہ، اصول اور کلام کے میدان میں ہوا مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ ایسا نابغۂ روزگار انسان۔ اور جس کے فہم قرآن اور جذبۂ ملی کا ظہور ہوا مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسی عظیم شخصیت میں اور جس کے انقلابی کردار نے رُوپ دھارا مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم ایسے سیماب وش انسان کا۔ راقم کا ذاتی احساس یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت کو ان کے اپنے حلقے کے لوگوں نے بھی کما حقہٗ نہیں پہچانا ـــ ورنہ ذرا غور کیا جائے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ چودھویں صدی ہجری کے مجدد وہ ہیں! ـــ واللہ اعلم!

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا انتقال تو اگرچہ راقم کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد ہوا لیکن افسوس

کہ ان کی زیارت سے بھی محرومی ہی رہی۔ تاہم ایک خیال اطمینانِ قلب کا موجب بنتا ہے اور وہ یہ کہ اگر ذرّے کو آفتاب سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے تو اس عاجز کو بھی ان کے ساتھ ایک نسبتِ معنوی حاصل ہے۔"

اس تبصرہ میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے شیخ الہندؒ کے مشہور شاگرد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہؒ کا اسم گرامی رہ گیا۔ حضرت مفتی صاحب کو شیخ الہند کے تلامذہ کے حلقہ میں تفقہ و تفکر کا امتیاز حاصل تھا۔

مفتی صاحب جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں شامل تھے اور تقریباً تیس سال تک جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے منصب پر فائز رہے۔ اور علماء ہند کی اس نمائندہ تنظیم میں خیرآبادی اور فرنگی محلی اور دیوبندی مکتبِ خیال کے نمایاں اکابر بشمول مولانا شبیر احمد عثمانی شریک تھے۔

فکری اعتدال

رجوع الی القرآن کی یہ تحریک عالم اسلام کی احیائی تحریکوں کے نتائج کو اچھی طرح سمجھ کر شروع کی گئی ہے۔ اس لیے اس میں فکری اور عملی اعتدال نظر آتا ہے اور ابتداء میں غلبۂ دین کی معروف تعبیرات کا جو زور تھا وہ بہت جلد اعتدال یعنی تجدیدِ ایمان کی دعوت کی طرف آ گیا ہے۔

رجوع الی القرآن کی تحریک کے ساتھ جڑنے والے مخلص مسلمانوں کو اس حقیقت پر گہری نظر رکھنی چاہئیے کہ اس تحریک کے امیرِ محترم کو اس امر کا اعتراف ہے کہ:۔

> احیاء اسلامی کی تمام تحریکوں کی ناکامی کا سبب بظاہر تو یہ ہے کہ انہوں نے بے صبری سے کام لیا اور اپنے اپنے ملکوں میں سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی معتدبہ تعداد کے ذہنوں کو بدلے بغیر سیاست کے میدان میں قدم رکھ دیا ـــــ لیکن درحقیقت ان کی ناکامی براہِ راست نتیجہ ہے ان کے تصورِ دین کی خامی اور مطالعۂ اسلام کے نقص کا ـــ
>
> دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تحریکوں کا مطالعۂ اسلام اس مغربی نقطۂ نظر پر مبنی ہے جس میں روح پر مادہ کو اور حیاتِ اخروی پر حیاتِ دنیوی کو فوقیت حاصل ہے ـــــ
>
> اسی فکر سے متاثر دورِ جدید کے ایک داعیٔ اسلام کا یہ فقرہ ایک ثقہ راوی نے روایت کیا کہ اسلام دراصل ایک سیاسی اور عمرانی نظام ہے جس پر الٰہیات کا پردہ ڈال دیا گیا ہے ـــ
>
> (دعوت رجوع الی القرآن، صفحہ ۴۵ و ۴۶ کی ترجمانی)

۱۸

عیسائیت کا گمراہ کُن پروپیگنڈا

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اسلامی تحریکوں کی ناکامی کا بنیادی سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان قائدین نے مغربی نقطۂ نظر سے اسلام کا مطالعہ کیا ۔۔۔ لیکن ڈاکٹر صاحب جیسے وسیع المطالعہ عالم اس کے حقیقی پس منظر سے بھی آگاہ ہوں گے اور ان کے علم و مطالعہ میں ضرور یہ بات آئی ہوگی کہ ایک طرف مغربی قومیں مادہ کو اصل قرار دے کر دنیوی میدان میں خود تو ترقی کر رہی تھیں مگر دوسری طرف ان کا مذہبی شعبہ (عیسائیت) اس پروپیگنڈہ میں مصروف تھا کہ سب کچھ آخرت ہے، دنیا نفرت کے قابل ہے اور اسے وہ عین اسلام قرار دے رہے تھے ۔ تاکہ مسلمان معاشی اور سماجی مسائل سے دور رہیں اور مغربی طاقتیں پورے اطمینان سے ان پر حکمرانی کرتی رہیں۔

اس سلسلہ میں "الجمعیۃ" اخبار کے مشہور ایڈیٹر مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط نے جو عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کے بہت بڑے مناظر رہ چکے تھے اور مسلک کے لحاظ سے مولانا آزاد کی طرح ولی اللّٰہی حنفی تھے اپنے ایک اداریہ میں مصنفِ 'جوامع الکلم' علامہ سید رشید رضا کے حوالہ سے لکھا تھا:

"جنیوا میں امیر شکیب ارسلان کی یاد بار بار آتی ہے، ایک روز وہ اپنی کتابیں اُلٹ پلٹ کر رہے تھے، ۔۔۔ کہ ایک کتاب میری طرف سرکائی اور بولے اسے دیکھو۔ میں نے ایک گھنٹہ تک اس کا مطالعہ کیا، ساری کتاب قرآن کریم اور احادیث کے حوالوں سے بھری ہوئی تھی، اس کا موضوع تھا ۔۔۔ "دنیا کی مذمت اور آخرت کی فضیلت"۔ امیر ارسلان نے فرمایا: بتاؤ! کتاب کے مصنف نے کیا غلطی کی؛ دنیا کو برطرف کر کے مسلمانوں کو اپاہج بنانا ۔۔۔ پھر وہ مسکرائے اور فرمایا: برطانیہ کی کیتھولک سوسائٹی کی طرف سے یہ کتاب شائع کی گئی ہے اور ایک پادری جسے میں خوب جانتا ہوں اس کا مصنف ہے۔"

سید رشید رضا لکھتے ہیں:

"قاہرہ کے قریب ایک بستی میں ایک عیسائی بڑی خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا تھا اور مسلمانوں سے کہتا تھا کہ مجھے اسلام کی تعلیم یوں پسند ہے کہ وہ دنیا پر توجہ نہیں دیتا وہ صرف ذکر و فکر، مراقبہ اور تسبیح و تہلیل پر سارا زور خرچ کرتا ہے۔ وہ پادری جب اپنا لکچر ختم کر چکا تو میں نے اس گمراہ کُن پروپیگنڈہ کا پردہ چاک کیا اور

مسلمانوں کو بتایا کہ اسلام دنیا اور آخرت کے بارے میں کیا تعلیم دیتا ہے"!
(المنار ۳۰ جنوری ۱۹۲۹ء)

مسلم حکمرانوں کی خواہش

ہندوستان کے وحید الدین خاں صاحب کی تحریک جسے وہ تحریک الرسالہ کہتے ہیں (الرسالہ اُن کے ماہنامے کا نام ہے) ـــــ عیسائیت کے اسی گمراہ کن پروپیگنڈہ کا عکس اور اسی کی نقل ہے۔ خانصاحب کا یہ مشن ہے کہ دنیائے اسلام میں جس قدر احیائے اسلام اور قیامِ دین کی تحریکیں جاری ہوئیں وہ سب اسلام کے نام پر غیر اسلام کی تبلیغ و دعوت تھی، ان تحریکوں سے اسلام اور مسلمانوں کو وقت، جان اور مال کے ضیاع کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔

اسلام کے یہ جدید نام نہاد فلسفی ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ مسلمان قومی زندگی کی گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھنا پسند کریں۔ اور اسلام پر فخر کرنے کی باتیں بند کر دیں ـــــ ان کے سارے مسائل کا حل یہی ہے۔ دنیائے اسلام کی دینی تحریکوں کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے وحید الدین خاں اور دوسرے حضرات اسلامی تحریکوں کے اس کامیاب پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان دینی تحریکوں نے عیسائیت کے اس پروپیگنڈہ کا توڑ کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ اسلام دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کا کفیل ہے۔ اس طرح مغرب اور مشرق کی ملحدانہ اور اشتراکی تحریکوں کے اثرات سے مسلمانوں کو بچایا ـــــ یہ تحریکیں پروپیگنڈہ کر رہی تھیں کہ دنیا کی معاشی اور سماجی فلاح کا انتظام اسلام کے پاس نہیں ہے ـــــ مذہب بیزار اور مخالف اسلام تحریکوں کے پاس ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیاست ہو یا مذہب، ہر میدان میں افراط و تفریط نے مسلمان قوم کی ہڈی پسلیاں توڑ کر رکھ دی ہیں۔ اگر ان اسلامی تحریکات میں کچھ غلو پیدا ہوا تو اس کے جواب میں بھی یہ انتہائی غلو پسندی ہے جو وحید الدین خاں صاحب کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔

آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ روس کی ملحدانہ اشتراکیت ستر سال کے بعد دم توڑتی نظر آ رہی ہے اور اشتراکی جبر و تشدد میں پسنے والی مسلم قوموں کے اندر کمیونزم کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی اسلامی جذبہ اُبھر رہا ہے۔ یہ دنیا کی اسلامی تحریکات کا دفاعی کارنامہ ہے ـــــ ان تحریکات میں اہلِ حق نے جو قربانیاں دیں وہ رائیگاں نہیں گئیں، وہ اسلامی لٹریچر جو دینِ برحق کو ایک کامیاب دنیوی اور دینی نظامِ حیات ثابت کرتا ہے، وہ بے اثر نہیں ـــــ اس کا بھی ایک اہم مقام ہے۔

مسلمانوں پر مغرب کے سیاسی غلبہ کے دور میں جس طرح عیسائی حکمراں یہ چاہتے تھے کہ مسلمان سیاست اور حکومت کے معاملات سے بالکل الگ رہیں اور اسے دنیا سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگیں ۔ اسی طرح آج کے مسلم حکمرانوں کا بھی یہی منشا ہے کہ مسلم عوام حکومتی معاملات سے الگ تھلگ رہیں ۔ چنانچہ وحید الدین خان صاحب پر اس پروپیگنڈہ کی قیمت بے تحاشا دولت کی صورت میں برس رہی ہے ۔ اور آپ کو حیرت ہوگی کہ لیبیا کے قذافی صاحب کے ساتھ سعودی عربیہ سے بھی خاں صاحب کو بھاری امداد حاصل ہوتی ہے ۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کی ترغیب دینے والے مفکّر گلی قاسم جان دہلی کے ایک معمولی کمرہ سے نکل کر نظام الدین دہلی کی ایک عالیشان کوٹھی میں سب سے اگلی سیٹ پر براجمان نظر آتے ہیں۔

کیا پاکستان جیسے مسلم ملک میں کسی مذہبی ماہنامہ کی اشاعت بیس پچیس ہزار ہے ؟ لیکن ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں خانصاحب کا "الرسالہ" اتنی ہی تعداد میں چھپتا ہے اور ہر سرکاری دانش ور اس کا خریدار ہے ۔ اور مسلمانوں کے فرضی ناموں سے رات دن خانصاحب کے فلسفہ کو حقیقی اسلام قرار دے کر مراسلے شائع کیے جاتے ہیں اور اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے خانصاحب ہی کو زحمت دی جاتی ہے ۔

پاکستان کے سابق حکمراں ضیاء الحق صاحب مرحوم نے خانصاحب کی ایک کتاب پر انہیں گراں قدر عطیہ وانعام عطا فرمایا تھا ۔ اس کے بارے میں ہندوستان کے ایک ماہنامہ نے لکھا تھا کہ ایک بین الاقوامی ادارہ کی پرزور سفارش پر خانصاحب کو اس انعام سے نوازا گیا ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کی کرامت

میں اسے تذکیر بالقرآن کی جدوجہد کا اعجاز سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب کو خداوندِ عالم نے کتابِ زندہ قرآنِ حکیم کی خدمت کے لیے بھرپور وسائل عطا فرمائے ۔ ڈاکٹر صاحب کو حضرتِ حق نے تقریر اور تحریر دونوں فنون سے نوازا ، اخلاقی اور مالی تعاون کرنے والے رفقاء عطا کیے ، ڈاکٹر صاحب کے اندر تنظیمی صلاحیت اور حسنِ اخلاق کی روشنی ودیعت فرمائی ، اور کارِ دعوت میں تعاون کرنے والے اہلِ بیت سے نصرت فرمائی ۔۔ اس اہم تعمیری خدمت کے لیے چالیس سال کی مدّت کچھ نہیں ہوتی ، مگر اس قلیل مدّت میں خدا تعالیٰ نے جو ٹھوس کام ڈاکٹر صاحب سے لے لیے وہ ان کے مشن کے حق میں حسنِ قبول کی علامت ہے ۔ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام جو اجتماعات پابندی سے منعقد ہوتے ہیں اور دوسرے تبلیغی اجتماعات میں رفقاء کی دلچسپی کا جو نقشہ میں نے دیکھا ہے وہ اس جدّوجہد

کی کامیابی کا پتہ دیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تالیفات اور تقریروں کے کیسٹ خواص و عوام دونوں طبقوں میں مقبول نظر آتے ہیں۔

پچھلے مردم خیز دور میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اپنے اپنے رنگ میں بلاشبہ سحبان الہند تھے۔ لیکن دہلی کے مشہور سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب کی خطابت کا رنگ بالکل الگ تھا۔ مولانا مرحوم کو خدا تعالیٰ نے قرآنِ حکیم کا بہترین حافظہ اور اس پر بے مثال عبور عطا کیا تھا۔ مولانا کے مواعظ تذکیر بالقرآن کی صحیح تصویر ہوتے تھے۔ مرحوم کئی کئی گھنٹے آیاتِ قرآنی کی تلاوت کے ساتھ سیرتِ انبیاء اور سیرتِ نبوی پر عوام کو ہنساتے اور رلاتے تقریر کرتے تھے۔ البتہ بات میں سے بات نکل کر تقریر پھیل جاتی تھی اور مولانا خداداد حافظے سے کام لے کر تقریر کو اصل موضوع سے جوڑ دیتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی خطابت کا خاص رنگ یہ ہے کہ موصوف کئی کئی گھنٹے نہایت قادر الکلامی کے ساتھ فصیح و بلیغ دہلوی اُردو میں موضوع اور عنوان کی پابندی کے ساتھ تقریر کرتے ہیں۔ اور سامعین عوام ہوں یا خواص، وہ بور نہیں ہوتے۔ اور موصوف کو بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ سامعین کی دلچسپی کے لیے بات میں سے بات پیدا کر کے تقریر کو پھیلایا جائے۔

ڈاکٹر صاحب وطنی اعتبار سے ہریانے کے اگروال ہیں اور ترکِ وطن کے بعد پنجاب میں موصوف کی زندگی کا بڑا حصّہ گزرا ہے — لیکن موصوف کا تلفظ اور لب و لہجہ کسی وقت بھی اس کی چغلی نہیں کھاتا — بلکہ وہ دہلویت کے رنگ پر قادر نظر آتے ہیں۔ ہمارے دوست مولانا سعید الرحمان صاحب علوی اپنی تحریروں میں خالص دہلوی نظر آتے ہیں لیکن کبھی کبھی خطابت کے زور میں ان کی زبان پر ان کے مادری الفاظ — اسیٔ تسیٔ، آ ہی جاتے ہیں۔ اور وہ بڑے خوبصورت لگتے ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب گرونانک کا یہ پنجابی شعر پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ الہامی شعر ہے۔ اسے اتنی لطافت کے ساتھ اردو میں منتقل کرنا ممکن نہیں۔ وہ شعر یہ ہے ؎

پہلا نام خدا دا، دُوجا نام رسول　　　پڑھلے کلمہ نانکا! درگاہ نویں قبول

ڈاکٹر صاحب کی شخصیّت، اسلام کی کرامت

ڈاکٹر صاحب کے دورۂ دہلی و حیدرآباد

کے بعد ہندوستان میں پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے۔ دہلی کی دیواروں پر ڈاکٹر اسرار احمد

صاحب کے جگہ جگہ پوسٹر چسپاں تھے۔ اور دلی کے ہندو مسلم عوام کے ذہنوں میں یہ نام موجود تھا۔ اس موقعہ پر ایک انتخابی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے خاکسار نے ایک لطیفہ کی بات یہ کہی کہ ہندوستان کے فرقہ پرست مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ جس قومی دھارے سے نکل کر گئے تھے، اس میں واپس آ جائیں، ـــ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت پاکستان کا بہت بڑا اسلامی اسکالر اور کٹر مسلمان حصار ہریانے کا ایک اگروال، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر ہے، اور ابھی چند روز پہلے وہ صاحب دہلی میں تھے جن کا نام ابھی تک دلی کی دیواروں پر چسپاں ہے اور وہ ہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ـــ عام مسلمانوں کو دعوت دینے کے بجائے اس ایک " اگروال مولوی " سے اس کے نئے مذہب اسلام کے بارے میں بات چیت کرو اور اگروال برادری کے پورکھ مہاراجہ اگرسین کا واسطہ دے کر اسے سمجھاؤ ـــ پھر دیکھو کہ وہ اپنے قومی دھارے میں واپس آتے ہیں یا تم بھی ان کا قرآنی بھاشن سُن کر ان کے قومی دھارے میں شامل ہو جاتے ہو۔

ڈاکٹر صاحب اگر ہندوستان میں ہوتے تو ان کی اگروال راجپوت نسبت سے بڑا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا ـــ مگر اسلام ان شخصی نسبتوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ نسبتیں عرب کی ہوں یا عجم کی ـــ اسلام تو حضرت سلمان فارسیؓ کی اس نسبت کو پسند کرتا ہے، کہ سلمان ابنِ اسلام ـــ پھر اس محبّتِ اسلام کے جواب میں ہادیٔ اسلامؐ بھی یہ فرماتے ہیں ـــ سلمان اہل بیتی، ـــ

لوگوں میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت پسماندہ ہندو ذاتوں سے تعلق رکھتی ہے ـــ حالانکہ اسلام کی یہ کرامت ہے کہ عہدِ اوّل میں اگر غلام طبقہ نے اسلام قبول کیا تو انہی کے ساتھ قریش کی بڑی بڑی معزز شاخوں کے سردار بھی اسلام کی آغوش میں آئے۔

اسی طرح ہندوستان کے مظلوم عوام کے ساتھ ہندوستان کی بڑی بڑی برادریوں اور راجہ مہاراجہ کی اولاد نے بھی قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ علامہ اقبال نے اپنی برہمنی نسبت پر فخر کرتے ہوئے کہا ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمے بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

قرآن کالج کا قیام

مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن کریم کی دعوت و تذکیر کے لیے دارالارشاد قائم کیا اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے "نظارۃ المعارف" کی داغ بیل ڈالی۔ مگر یہ دونوں ادارے ان حضرات کی سیاسی سرگرمیوں کی نذر ہو گئے۔ جماعتِ ولی اللٰہی کے صاحبِ علم و عرفان بزرگ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے (جو نظارۃ المعارف کے ناظم رہ چکے تھے) لاہور میں انجمن خدام الدین کی بنیاد ڈالی اور اس کے تحت فارغ التحصیل عربی طلباء کے لیے دورۂ تفسیر کا ایک مختصر پروگرام شیرانوالہ گیٹ کی مسجد میں شروع کیا۔ یہ پروگرام مولانا کے خاص طرزِ تفسیر اور روحانی اخلاص کی بدولت نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے اہلِ علم نے اس سے استفادہ کیا۔ یہ خاکسار بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہُوا۔

مولانا لاہوری قرآن کریم کی چھوٹی سورتوں کو عنوان دے کر ان کے مطالب کا خلاصہ طلباء کو یاد کرایا کرتے تھے اور دوسرے دن پہلے دن کا سبق سنا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے پاس سے قرآن کریم پر بولنے کی قدرت و جرأت لے کر جاؤ اور تمہاری ہچکچاہٹ دُور ہو جائے ــــ اور واقعی مولانا کے سہ ماہی نصاب کے بعد طلباء جو علماء ہوتے تھے، قرآن کریم پر بولنے کی جرأت اور شوق و ذوق لے کر اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ مسجد شیرانوالہ میں صبح کا درس بھی دیتے تھے اور جمعہ کو خطاب بھی فرماتے تھے اور میں نے دیکھا کہ بڑے طرہ باز پنجابی مولانا کی تقریر دوران میں سر جھکائے ہوئے ان کی ڈانٹیاں سُنتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا قرآن کالج انہی بزرگانِ دین کے خوابوں کی تعبیر ہے ــــ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ جس سرزمین پر ایک ولی اللٰہی درویش عالم نے پچاس برس کے قریب قوم کو قرآنی پیغام سے آشنا کیا، راتوں کو رو رو کر خدا تعالیٰ سے قبولیت کی دعائیں کیں۔ وہ سرزمین قرآن کریم کی صداؤں سے محروم رہتی۔ خدا تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ اس خلاء کو پُر کیا۔ اور قرآن کالج قوم کے سامنے آیا۔ قرآن کالج میں تعلیم یافتہ مسلم نونہالوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ ایک کلاس طلبہ عربی کے لیے بھی اسی نہج پر قائم ہو گی۔ جو مولانا لاہوری نے قائم کیا تھا۔ خدا کرے کہ ہمارا حلقہ اس حقیقت کو سمجھ لے کہ اَللّٰہُ یَعۡلَمُ حَیۡثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ — اور وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ — اور رجوع الی القرآن کی دعوت میں حصّہ لے۔

ایمان ویقین کی تحریک

ڈاکٹر صاحب نے تعلیم یافتہ طبقہ کو تجدید ایمان کی دعوت دیتے ہوئے دنیائے اسلام میں کام کرنے والی ایمان ویقین کی اس تحریک کی طرف متوجہ کیا ہے جسے تبلیغی جماعت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :

"اور اگرچہ جب سے مغرب کی الحاد و مادہ پرستی کے زہر سے مسموم ہواؤں کا زور ہوا ایمان ویقین کے یہ بازار بھی بہت حد تک سرد پڑ گئے تاہم ابھی ایسی شخصیتیں بالکل ناپید نہیں ہوئیں جن کے "دلِ روشن" "نورِ یقین" اور "نفس گرم" حرارتِ ایمانی سے معمور ہیں۔ اور اب ضرورت اس کی ہے کہ ایمان ویقین کی ایک عام رَو ایسی چلے کہ قریہ قریہ اور بستی بستی ایسے صاحب عزیمت لوگ موجود ہوں جن کی زندگیوں کا مقصدِ وحید خدا کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہو اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کے مطابق کہ لَاَنْ يَّهْدِيَ بِكَ اللّٰهُ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ خلق کی ہدایت و رہنمائی کو زندگی کا واحد لائحہ عمل قرار دے لیں۔ اور اس کے سوا ان کی زندگی میں کوئی اور تمنا، آرزو یا حوصلہ و اُمنگ باقی نہ رہے۔

خوش قسمتی سے برصغیر ہند و پاک میں ایک وسیع پیمانے پر ایسی حرکت پیدا بھی ہو چکی ہے جس کے زیر اثر عوام میں ایمان کی روشنی پھیل رہی ہے اور کائنات سے زیادہ خالق کائنات مادے سے زیادہ رُوح اور حیاتِ دنیوی سے زیادہ حیاتِ اُخروی کی اہمیت کا احساس اجاگر ہو رہا ہے۔ ہماری مراد جماعتِ تبلیغی سے ہے جسے بجا طور پر تحریک دیوبند کی ایک شاخ قرار دیا جا سکتا ہے اور جس کی تاسیس کچھ ایسے اصحاب ایمان ویقین کے ہاتھوں ہوئی ہے کہ آج ایک تہائی صدی سے زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود اس کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی، اور اس کے باوجود کہ اس کے طریق کار سے ہم کلیتہً اتفاق نہیں کرتے ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس کے زیر اثر لوگوں کے طرز فکر اور نقطۂ نظر میں ایک ایسی عمومی تبدیلی واقعتہً پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اصل حیثیت کائنات کی نہیں خالق کائنات کی ہے اور اصل اہمیت اسباب کی نہیں مسبب الاسباب کی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو اس تحریک سے جو اختلاف ہے وہ صرف اتنا ہے کہ یہ تحریک عقل اور علم کے بجائے جذبات کو مخاطب کرتی ہے، اس لیے وہ طبقہ جس کے ہاں جذبات پر عقل اور عمل پر علم کو اولیت حاصل ہے، اس تحریک سے متأثر نہیں ہوتا — اور اس وجہ سے ضروری ہے کہ ایمان و یقین کی ایک زبردست علمی تحریک اٹھے جو ملّت کے اعلیٰ ترین طبقات اور مسلم معاشرے کے ذہین و فہیم حصّہ میں فکر و نظر کا انقلاب عظیم برپا کر دے۔ لیکن اسی کے ساتھ اس تحریک میں ایک خامی یہ بھی ہے کہ اس میں قرآن کریم کا وہ نکتۂ اعتدال باقی نہیں رہا جس میں اگر نماز کو اہم عبادت کہا گیا ہے تو رزقِ حلال کی جدّ و جہد (تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت) کو تلاشِ فضلِ خداوندی قرار دے کر اس کی اہمیت پر بھی توجہ دلائی گئی۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (الجمعۃ)

نہی عن المنکر کی تحریک!

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قرآنی اصطلاحوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو رجوع الی القرآن کی دعوت دین کے دونوں جزؤں پر مشتمل نظر آتی ہے۔ امر بالمعروف کا جز قولاً بھی اور عملاً بھی اپنے جامع مفہوم کے اعتبار سے موجود ہے — اور الحمد للہ اس تنظیم کے ارکان میں نماز، روزہ اور تلاوت اور ذکر و نوافل کے خاص مہینہ رمضان میں فرض عبادات کے ساتھ مستحبات کا اہتمام خداوند عالم کی اس تنظیم پر بڑی کرم فرمائی ہے۔ البتہ نہی عن المنکر کی عملی تحریک کی ایک کمی نظر آتی تھی جسے اب پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اس کا آغاز سرکاری ذرائع ابلاغ کی فحاشی سے کیا گیا ہے، کیونکہ ایک مسلم مملکت (اسلامی مملکت نہ سہی) کے لیے یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ اس کے ذرائع ابلاغ فحشاء اور منکرات کی اشاعت اور ترغیب کا فرض انجام دیں۔

بے حیائی اور بے شرمی کی اشاعت قرآن کریم کی نظر میں ایسا بدترین جرم ہے کہ خداوند عالم نے اس کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب الیم کی وعید سنائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ
وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النّور: ۱۹)

قرآن کریم میں تقریباً ڈھائی سو آیتوں میں مختلف جرائم کی سزا کے سلسلہ میں عذاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ لیکن مسلمانوں کے اندر حیا سوز باتوں کی اشاعت کا جرم وہ واحد جرم ہے جنہیں آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی عذاب کا اعلان کیا گیا ہے۔

بظاہر حالات اس مسلم مملکت میں منکرات و فواحش کی بندش کتنی ہی مشکل ، لیکن اہلِ دین طبقہ کو خدا کی جناب میں معذرت پیش کرنے کے لیئے تنظیم اسلامی کی اس عملی تحریک میں حصّہ لینا ضروری ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّۃٌ مِّنْہُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨاللّٰہُ مُہْلِکُہُمْ
اَوْ مُعَذِّبُہُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَۃً
اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّہُمْ یَتَّقُوْنَ ○ (الاعراف: ۱۶۴)

معاشرتی ظلم کے خلاف تحریکِ اخوّت

تنظیم اسلامی کی تحریک ہو یا دوسری مذہبی تحریکات ۔ ان میں دعوتِ دین کا جو پہلو ضمنی اور ذیلی بن کر رہ گیا ہے وہ ہے معاشرتی ظلم کے خلاف کھلا جہاد ۔

معاشرتی ظلم سے میری مراد نسب اور صہر (ماں باپ اور ساس سسر) کے رشتوں کی حق تلفی ہے ۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی نمایاں صفت آپؐ کے پروردگار نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ قرار دی ۔ اخلاق ۔ ادائیگیٔ حقوق کا نام ہے۔ حضورؐ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپؐ نے حق اللہ کی مکمل ادائیگی کے علاوہ معاشرتی زندگی کے ایک ایک حق کو ادا فرمایا اور اپنی حیاتِ پاک کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مکمل نمونہ اور اسوہ بنا کر پیش کیا۔

ماں باپ بہن بھائیوں کے علاوہ ساس سسر اور سالے سالیوں، بیویوں اور پڑوسیوں، مسلم پڑوسیوں اور غیر مسلم پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن کریم نے قائم کیے تھے، آپؐ نے وہ سب ادا فرمائے ۔ " انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق " کا یہی مطلب ہے۔

صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مصلحین امت صرف مسلمانوں کے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ پر نظر رکھیں۔ شب بیداری اور تلاوتِ قرآن کے ذریعہ تزکیۂ روح کی کوشش کو کافی سمجھیں، بلکہ ضروری ہے کہ باہمی حقوق کے ایک ایک پہلو پر نگاہ رکھی جائے۔ ماں باپ کے ساتھ اولاد کے اور اولاد کے ساتھ ماں باپ کے تعلقات کیسے ہیں۔ ساس سسر اور داماد کے درمیان اور ساس سسر اور بہو کے درمیان تعلقات کی کیا کیفیت ہے؟

صرف ایک شخص کو متدین صورت اور پابند نماز دیکھ کر اسے جنت کی سند عطا کر دینا اور شب بیدار دیکھ کر اس کے سر پر خلافت کی پگڑی باندھ دینا اور کسی کو اچھا قاری، اچھا خطیب اور مفتی صاحب دیکھ کر اسے شیخ طریقت بنا لینا۔ یہ اس حقیقت سے بے خبری کی دلیل ہے کہ اسلام پوری زندگی کی ہدایت ہے۔

دین کا غلبہ پہلے گھر کے باطل (غرورِ نفس اور غرورِ خاندان) پر ہوگا۔ اس کے بعد باہر کے باطل پر غلبہ کی راہیں کھلیں گی۔

آج مسلم معاشرہ باہمی حقوق تلفیوں کے ظلم میں گھرا ہوا ہے۔ اور قرآن کریم کی اس وعیدِ شدید کا دل ہلا دینے والا منظر پیش کر رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (الانعام ۱۲۹)

اور دوسری طرف دینی تحریکوں کا یہ حال ہے کہ سارا زورِ تقریر و تحریر باطل کے خلاف صرف ہو رہا ہے۔

اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نظروں سے اوجھل ہے۔

لا تنزل الرحمة على قوم فيهم قاطع رحم (مشکوٰۃ)

"اس قوم پر خدا کی رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں باہمی حقوق کو توڑنے والا موجود ہوتا ہے۔"

یہ تجربہ قطعی طور پر ناکام نظر آتا ہے کہ روزہ نماز کی ظاہری درستگی سے اخلاق و عادات میں صلاح و فلاح کی روشنی پیدا ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے رجوع الی القرآن کی تحریک میں جماعت اسلامی سے وابستہ مخلص نوجوانوں کو شریک کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب

کو اس میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی تحریک پاکستان میں اقامتِ دین کی تیاری اور اس کی تربیت ہے۔ اور جماعتِ اسلامی نے جس کام کو چھوڑ دیا اس کی تکمیل ہے۔ پھر بھی تحریکِ رجوع الی القرآن کے وابستگان کو خدا تعالیٰ سے بہر دعا کرنی چاہیئے اور ہم سب مسلمانوں کو بھی کہ جماعت کا نوجوان مسلمانوں میں اسلامی اخوّت پیدا کرنے اور برادرکشی کی فضا ختم کرنے کے کام کو سب کاموں پر ترجیح دے اور انتخابی سیاست میں زیادہ نہ الجھے !! فالحمد للہ علیٰ ذالک

بقیہ : ھدایتُ القرآن

کا سمجھوتہ کسی قیمت پر نہیں ہوتا ہے۔ دنیا کا اصلاً مخالف نہیں ہے، دنیا کی مشغولیتیں تو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہی بنتی ہیں۔ اللہ کے دین میں کسوٹی چکنی چپڑی باتیں کرنا اور ظاہری مراسم کی پیروی نہیں ہے، بلکہ اصل کسوٹی اپنی خواہش اور فائدہ کو قربان کرکے اللہ کی رضامندی حاصل کرنا اور اس کی مخلوق کو فائدہ پہونچانا ہے۔

۲ؔ یہ خدا پرستی کا کردار ہے، جو دنیا میں کتنا ہی مشغول ہو لیکن اس کے پیش نظر اللہ کی رضامندی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کی خاطر وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہوجاتا ہے۔ اگرچہ کتنا ہی اپنے نفس سے مقابلہ کرنا پڑے، اپنی خواہش کو قربان کرنا پڑے اور اپنا نقصان برداشت کرنا پڑے۔ یہ کردار ایسا نہیں ہوتا ہے کہ اگر خدا پرستی سے فائدہ پہونچتا رہے تو اس کا نام لیتا رہے اور اگر کوئی آزمائش آجائے اور کچھ قربانی دینے کی نوبت آئے یا اس کی خاطر کچھ نقصان برداشت کرنا پڑے تو فوراً اس سے علیحدہ ہوجائے۔

۳ؔ خدا پرستی کا کردار تو بیشک اس قابل ہے۔ کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور اس کو مزید قوت پہونچائی جائے لیکن دنیا پرستی کا کردار تو قابل اعتبار نہیں ہے۔ اس سے کوئی توقع نہیں ہے کہ حق وصداقت کا ساتھ دے یا وہ خود اس پر عمل کرے۔ بادلوں کے سایہ میں اللہ کا موجود ہونا اور فرشتوں کا ساتھ ہونا یہ صورت حال کو سمجھانے کا ایک انداز اور طریقہ ہے جس سے مخاطب کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے کہ گویا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے اس طرح آکر ان کا کام تمام کردیں، حالانکہ کام تمام کرنے کے لیے نہ اللہ کو اس طرح آنے کی ضرورت ہے اور نہ فرشتوں کو ساتھ لینے کی ضرورت ہے ■